سیبِ شعور

ایک دن کھایا تھا انسان نے جو سیبِ شعور
شُکرِ ربیّ کہ ہوا اپنے گناہوں سے وہ دوُر
جہْل اور کوُر نگاہی کا ہوا ختم وہ دوَر
نکتہ رَس ہوں تو ذرا کیجیے اس بات پہ غور
دوری از عقل تھی اس جنّتِ ارضی میں گناہ
قبل اس لمحے کے آدم تھا عجب کوُر نگاہ
نۓ شعور اسکو تھا اطراف کا نۓ آگاہی
اطلاع کوئی نہ افلاک کی اس نے چاہی
سانپ نے اس کو دی ترغیبِ شعورِ ہستی
بیش قیمت تھی بہت رائۓ، نہیں تھی سَستی
سیب کھایا تو نظر آئی اسے جائۓ وقوع
بارِ اوّل ہوا انسان زمانے سے رجوع
کی عطا فہم نے جو دولتِ اِدراک اسے
وقت نے کوُر نگاہی سے کیا پاک اسے
خواب سے جاگ گیا، آنے لگا اسکو ہوش
واہمے ہوگئۓ تحلیل، ہوۓ سب روپوش
اسکی رانوں کے تلے آ گیا رہوارِ خیال
کس کے وہ زینِ سفر مُڑ گیا درسمتِ سوال

لامکاں اور مکاں ، ارض و سما ، وقت ، خلا
سلسلہ انکو سمجھنے کا اسی طور چلا
سانپ ابلیس تھا لیکن تھا بہی خواہِ حیات
تھا وہ کوشاں کہ ملے آدم و حوّا کو نجات
بیوقوفی کی وہ جنت ، کہ فرشتے تھے جہاں
فہم و افکار و تصور کا وہاں ذکر کہاں
آسمانوں پہ دمکتے نظر آئے جو نجوم
ابنِ آدم کو بالآخر ہوا قصہ معلوم
گردشِ دہر میں پوشیدہ تھی ساری تعلیم
قلبِ افلاک میں رقصاں تھی نفس کی تنظیم
شاخ وگلُ ، برگ وثمر، نہر میں بہتا پانی
اک توجہ نے دکھائی اسے دنیا فانی
قافلہ جس میں تھیں شامل سبھی اشکالِ حیات
ہم قدم اسکی مَعیَّت میں چلے موجودات
تارِک الدہر بھی تھا اور نگہبان بھی تھا
تھا وہ میمون مگر حضرتِ انسان بھی تھا
ہر سبب ساحلِ ہستی پہ کھڑا تھا تیار
وقت کا گھوم گیا چار طرف اک پرکار
ارض سے تابہ فلک ایک تھا جاری قانون
فہمِ آدم نے کیا اسکو سلامِ مسنون

اسمِ اعظم تھا یہی اور یہی قانونِ فلک
پھر نہ آدم کو نظر آیا کہیں کوئی ملک

منہ سے جاری ہوا پھر کلمہء اسبابِ حیات
ہاں یہیں جنتِ ارضی تھی، یہیں تھے دن رات

جادہء راہِ فنا پر وہ ہوا محوِ خرام
زندگی نے اسے صد بار کیا جھک کے سلام

ع زوارِد

17 May 2016

California